ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3957

Program: BS Islamic Studies (Spec. Seerat Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ سیرت سٹڈیز)

کورس: مطالعہ متنِ حدیث (3957) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص سیرت سٹڈیز)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (بوٹ: 1-4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: نکاح کے ارکان، شرائط اور محرمات

سوال نمبر 1: دینی نصوص کی روشنی میں نکاح کے بنیادی ارکان، شرائط اور محرمات کے احکام بیان کریں۔ (20)

تعارف

نکاح اسلامی معاشرتی نظام کی بنیادی اکائی ہے۔ قرآن مجید نے نکاح کو میثاقِ غلیظ یعنی پختہ عہد قرار دیا ہے (سورۃ النساء 4:21 کا حوالہ) اور اسے سکون، محبت اور رحمت کا ذریعہ بتایا ہے (سورۃ الروم 30:21 کا حوالہ)۔ احادیثِ مبارکہ میں نکاح کو انبیاء کی سنت اور نبی کریم ﷺ کی سنت قرار دیا گیا ہے اور نوجوانوں کو اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ فقہاء نے کتاب و سنت کی روشنی میں نکاح کے ارکان، اس کی صحت کی شرائط اور ممنوع رشتوں کی تفصیل بیان کی ہے جن سے نکاح ہمیشہ یا عارضی طور پر حرام ہوتا ہے۔ اس جواب میں پہلے نکاح کی تعریف اور ارکان، پھر شرائط اور آخر میں محرمات کی اقسام کو نصوص اور فقہی مسالک کی روشنی میں تعلیمی انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ کسی خاص واقعے پر فتویٰ دینا اس گائیڈ کا مقصد نہیں؛ یہ صرف نصوص کا تعلیمی مطالعہ ہے اور عملی مسئلے میں اہلِ علم سے رجوع کرنا چاہیے۔

نکاح کی تعریف اور اس کا شرعی درجہ

فقہاء کے نزدیک نکاح ایک عقد ہے جس کے ذریعے مرد و عورت کے لیے مخصوص شرائط کے ساتھ ازدواجی تعلق حلال ہوتا ہے اور دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق لازم آتے ہیں۔ نکاح محض ایک سماجی رسم نہیں بلکہ عبادت اور معاشرتی ذمہ داری دونوں کا مجموعہ ہے۔ اسی لیے قرآن نے جہاں استطاعت رکھنے والوں کو نکاح کا حکم دیا ہے (سورۃ النور 24:32 کا حوالہ) وہاں اس کو پاک دامنی اور نظر کی حفاظت کا ذریعہ بھی قرار دیا ہے۔ حدیث میں نکاح کو آدھا دین مکمل کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فقہاء کے نزدیک حالات کے اعتبار سے نکاح کا حکم بدلتا ہے: عام حالات میں یہ سنتِ مؤکدہ ہے، کہیں واجب کے درجے تک بھی پہنچتا ہے اور جہاں ظلم یا نان نفقے کی عدم استطاعت یقینی ہو وہاں اس سے اجتناب کی تعلیم بھی ملتی ہے۔ اس تمہید سے واضح ہوتا ہے کہ نکاح کے ارکان و شرائط کی پابندی اسی لیے ضروری ہے کہ یہ عقد دینی اور قانونی دونوں حیثیت رکھتا ہے۔

نکاح کے بنیادی ارکان

جمہور فقہاء کے نزدیک نکاح کا اصل رکن ایجاب و قبول ہے۔ ایجاب وہ پیشکش ہے جو ایک فریق کی طرف سے کی جاتی ہے اور قبول اس کی منظوری ہے جو دوسرا فریق اسی مجلس میں دیتا ہے۔ یہ ایجاب و قبول نکاح کے الفاظ یا ان کے معنی دینے والے صریح الفاظ میں ہو تو عقد منعقد ہو جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک ایجاب و قبول ہی رکن ہے جب کہ دیگر

فقہاء نے فریقین، ولی اور گواہوں کو بھی ارکان یا ارکان کے قریب شرائط میں شمار کیا ہے؛ یہ اختلاف اصطلاحی ہے، نتیجے میں سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ عناصر مکمل کیے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا۔ فریقین سے مراد وہ مرد و عورت ہیں جن کے درمیان نکاح ہو رہا ہو؛ ان کا متعین ہونا ضروری ہے تاکہ کسی ابہام کی گنجائش نہ رہے۔ اسی طرح مجلسِ عقد کا متحد ہونا، یعنی ایجاب و قبول کا ایک ہی نشست میں ہونا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔

نکاح کی صحت کی اہم شرائط

نکاح کی شرائط میں سب سے پہلی شرط فریقین کی اہلیت ہے: دونوں عاقل اور بالغ ہوں، اور اگر نابالغ کا نکاح ولی کرے تو اس کے اپنے احکام ہیں۔ دوسری شرط رضامندی ہے؛ بالغ عورت کے نکاح میں اس کی اجازت بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور حدیث میں بیوہ اور کنواری دونوں کی اجازت کی صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ تیسری اہم بحث ولی کی ہے: جمہور فقہاء حدیثِ مبارک کی روشنی میں بالغ عورت کے نکاح میں ولی کی اجازت کو شرط قرار دیتے ہیں، جب کہ احناف کے نزدیک بالغ عاقلہ عورت اپنا نکاح خود بھی کر سکتی ہے بشرطیکہ کفو کا لحاظ ہو؛ دونوں موقف اپنے دلائل رکھتے ہیں اور یہ مسئلہ کتبِ فقہ میں تفصیل سے موجود ہے۔ چوتھی شرط گواہ ہیں: دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں عقد ہو تاکہ اعلانِ نکاح ہو سکے، کیونکہ نکاح کی بنیادی حکمت ہی خفیہ تعلق کے بجائے اعلانیہ اور ذمہ دارانہ رشتہ قائم کرنا ہے۔ پانچویں عنصر مہر ہے: مہر عورت کا حق ہے جو قرآن کے حکم کے مطابق خوش دلی سے ادا کیا جائے (سورۃ النساء 4:4 کا حوالہ)؛ اس کی کوئی زیادہ سے زیادہ حد مقرر نہیں اور کم سے کم مقدار میں فقہاء کا اختلاف موجود ہے۔ ان شرائط کا مقصد عورت کے حقوق کا تحفظ، نسب کی حفاظت اور خاندانی نظام میں شفافیت پیدا کرنا ہے۔

محرماتِ ابدیہ: نسب، رضاعت اور مصاہرت

محرمات سے مراد وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح حرام ہے۔ ان کی تفصیل سورۃ النساء کی آیت 23 میں بیان ہوئی ہے اور فقہاء نے انہیں تین بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم نسبی محرمات ہیں: ماں اور اوپر تک دادی و نانی وغیرہ، بیٹی اور نیچے تک پوتی و نواسی وغیرہ، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی۔ یہ حرمت ہمیشہ کے لیے ہے اور کسی حال میں ختم نہیں ہوتی۔ دوسری قسم رضاعی محرمات ہیں: جس عورت نے بچپن میں دودھ پلایا ہو وہ رضاعی ماں اور اس کے وہی رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں؛

حدیث کا مفہوم ہے کہ رضاعت سے بھی وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں، البتہ رضاعت کی مدت اور مقدار میں فقہاء کے درمیان تفصیلی اختلاف ہے۔

تیسری قسم مصاہرت یعنی سسرالی رشتے سے پیدا ہونے والی حرمت ہے: بیوی کی ماں یعنی ساس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے، سوتیلی بیٹی (ربیبہ) اس شرط کے ساتھ کہ اس کی ماں سے صحبت ہو چکی ہو، بیٹے کی بیوی اور باپ کی بیوی بھی محرمات میں شامل ہیں۔ ان احکام کی حکمت خاندان کے اندر رشتوں کے تقدس اور اعتماد کو برقرار رکھنا ہے۔

جدول 1: محرمات کی بڑی اقسام اور مثالیں

قسم	وجہِ حرمت	اہم مثالیں	مدت
نسبی محرمات	خون کا رشتہ	ماں، بہن، بیٹی، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی	ہمیشہ کے لیے
رضاعی محرمات	دودھ کا رشتہ	رضاعی ماں، رضاعی بہن وغیرہ	ہمیشہ کے لیے
مصاہرتی محرمات	نکاح سے بننے والا رشتہ	ساس، بیٹے کی بیوی، باپ کی بیوی، مشروط ربیبہ	ہمیشہ کے لیے
عارضی محرمات	عارضی مانع	بیوی کی بہن، پانچویں بیوی، عدت والی عورت	مانع ختم ہونے تک

عارضی محرمات اور دیگر موانع

کچھ حرمت عارضی ہوتی ہے، یعنی مانع ختم ہو جائے تو نکاح جائز ہو جاتا ہے۔ اس کی مشہور مثال دو بہنوں کو ایک وقت میں جمع کرنا ہے: بیوی کی بہن سے اس وقت تک نکاح نہیں ہو سکتا جب تک پہلی بیوی نکاح میں موجود ہو؛ اسی طرح بیوی کی پھوپھی اور خالہ کو بھی بیوی کے ساتھ جمع کرنا حدیث میں منع آیا ہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ جس شخص کے

نکاح میں پہلے سے چار بیویاں موجود ہوں وہ پانچویں سے نکاح نہیں کر سکتا۔ تیسری مثال عدت گزارنے والی عورت ہے: مطلقہ یا بیوہ کی عدت کے دوران اس سے نکاح نہیں ہو سکتا، اگرچہ بعض صورتوں میں اشارے سے پیغام کی گنجائش فقہاء نے بیان کی ہے۔ چوتھی مثال احرام کی حالت اور پانچویں وہ عورت ہے جو کسی اور کے نکاح میں ہو۔ ان تمام موانع کا مقصد حقوق کی ٹکراؤ سے بچنا اور ہر رشتے کو اس کا جائز مقام دینا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ محرمات کا تعلق عبادات اور نسب کے تحفظ سے ہے، اس لیے ان میں شبے کی صورت میں احتیاط اور اہلِ علم سے رجوع ہی درست رویہ ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ نکاح اسلام میں ایک مقدس اور ذمہ دارانہ عقد ہے جس کا رکن ایجاب و قبول ہے اور جس کی صحت کے لیے اہلیت، رضامندی، ولی، گواہ اور مہر جیسی شرائط نصوص سے ثابت ہیں۔ محرمات کی تین ابدی قسمیں نسب، رضاعت اور مصاہرت ہیں جن کی بنیاد سورۃ النساء کی آیت 23 ہے، جب کہ دو بہنوں کو جمع کرنا، پانچویں بیوی اور عدت والی عورت جیسی حرمت عارضی ہے۔ ان احکام کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ شریعت نے خاندان کو اتفاقی رسم نہیں بلکہ اصولوں کی بنیاد پر استوار کیا ہے تاکہ حقوق محفوظ رہیں، نسب واضح رہے اور معاشرے میں اعتماد قائم ہو۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ ان مسائل کو کتاب کے یونٹس اور مستند فقہی کتب سے مزید تفصیل کے ساتھ پڑھے اور عملی صورت پیش آنے پر خود رائے قائم کرنے کے بجائے مستند علماء سے رہنمائی لے۔

سوال نمبر 2: طلاق کی اقسام اور ایک مجلس میں تین طلاقوں کا حکم

سوال نمبر 2: احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں طلاق کی اقسام اور ایک مجلس میں تین طلاقوں کے شرعی حکم کی وضاحت کریں۔ (20)

تعارف

طلاق نکاح کے خاتمے کا ایک شرعی طریقہ ہے جسے اسلام نے ناگزیر صورت کے لیے رکھا ہے، پسندیدہ عمل کے طور پر نہیں۔ حدیث میں اسے حلال چیزوں میں اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ترین قرار دینے کا مفہوم آیا ہے، تاہم جب میاں بیوی کے درمیان نبھانا ممکن ہو جائے اور اصلاح کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں تو شریعت نے باعزت علیحدگی کا راستہ کھلا رکھا ہے۔ قرآن کی سورۃ البقرہ اور سورۃ الطلاق میں طلاق کے احکام تفصیل سے آئے ہیں اور احادیث نے ان کی عملی صورتیں واضح کی ہیں۔ اس جواب میں پہلے طلاق کی اقسام بیان کی جائیں گی اور پھر ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کے مسئلے میں فقہاء کے موقف کو امانت داری سے، کسی ایک رائے کو حتمی فتویٰ بنائے بغیر، تعلیمی انداز میں پیش کیا جائے گا، کیونکہ اس مسئلے میں اہلِ علم کے درمیان قدیم و معروف اختلاف موجود ہے۔

طلاق کی بنیادی اقسام: رجعی اور بائن

اثر کے اعتبار سے طلاق کی دو بڑی قسمیں ہیں: طلاقِ رجعی اور طلاقِ بائن۔ طلاقِ رجعی وہ ہے جس کے بعد عدت کے اندر شوہر بغیر نئے نکاح اور نئے مہر کے رجوع کر سکتا ہے؛ پہلی اور دوسری طلاق عام طور پر رجعی ہوتی ہے بشرطیکہ مہر کے بدلے نہ دی گئی ہو۔ طلاقِ بائن کی پھر دو صورتیں ہیں: بائنِ صغریٰ، جس کے بعد دونوں رضامند ہوں تو عدت کے بعد نیا نکاح ہو سکتا ہے، مثلاً خلع یا مال کے بدلے دی گئی طلاق یا صحبت سے پہلے کی طلاق؛ اور بائنِ کبریٰ یعنی مغلظہ، جو تیسری طلاق کے بعد ہوتی ہے اور اس کے بعد وہ عورت اسی شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک وہ کسی دوسرے سے صحیح نکاح کر کے اس سے بھی جدا نہ ہو جائے، جیسا کہ سورۃ البقرہ 2:230 میں بیان ہوا ہے۔ یہ تقسیم بتاتی ہے کہ شریعت نے ہر طلاق کو فوری اور حتمی جدائی نہیں بنایا بلکہ رجعی طلاق میں غور و فکر اور واپسی کا موقع رکھا ہے۔

طریقے کے اعتبار سے اقسام: سنی اور بدعی، صریح اور کنایہ

طریقے کے اعتبار سے طلاقِ سنی وہ ہے جو سنت کے بتائے ہوئے طریقے پر دی جائے: یعنی ایسی طہر میں دی جائے جس میں صحبت نہ ہوئی ہو، ایک طلاق دی جائے اور پھر عدت گزرنے دی جائے؛ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے واقعے میں نبی کریم ﷺ نے یہی طریقہ سکھایا، جس کی تفصیل صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس کے

مقابلے میں طلاقِ بدعی وہ ہے جو حیض کی حالت میں یا صحبت والے طہر میں دی جائے یا ایک سے زیادہ طلاقیں اکٹھی دی جائیں؛ فقہاء کے نزدیک ایسی طلاق گناہ کا سبب ہونے کے باوجود عام طور پر واقع ہو جاتی ہے، البتہ اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے۔ الفاظ کے اعتبار سے طلاق صریح اور کنایہ میں بھی تقسیم ہوتی ہے: صریح الفاظ وہ ہیں جو طلاق ہی کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور ان میں بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، جب کہ کنایہ الفاظ کا دارومدار بولنے والے کی نیت پر ہوتا ہے۔ ان اقسام کو سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ ہر قسم کا اثر اور عدت و رجوع کا حکم مختلف ہوتا ہے۔

جدول 2: طلاق کی اقسام کا خلاصہ

قسم	تعریف	رجوع کا حکم
طلاقِ رجعی	پہلی یا دوسری طلاق جس میں عدت میں رجوع ممکن ہو	عدت میں بغیر نئے نکاح کے رجوع
طلاقِ بائن صغریٰ	خلع، مال کے بدلے یا صحبت سے قبل طلاق	نیا نکاح اور نیا مہر لازم
طلاقِ بائن کبریٰ	تیسری طلاق کے بعد کی حالت	دوسرے صحیح نکاح و جدائی کے بغیر حلال نہیں
طلاقِ سنی	طہرِ غیر موطوءہ میں ایک طلاق	سنت کے مطابق طریقہ
طلاقِ بدعی	حیض میں یا ایک مجلس میں متعدد طلاقیں	طریقہ غیر مسنون، اثر میں فقہی بحث

ایک مجلس میں تین طلاقیں: مسئلے کی صورت

یہ مسئلہ اس صورت سے متعلق ہے کہ شوہر ایک ہی نشست یا ایک ہی جملے میں بیوی کو تین طلاقیں دے دے، مثلاً ایک ساتھ تین مرتبہ طلاق کا لفظ کہہ دے۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ تینوں طلاقیں شمار ہوں گی اور عورت بائنِ کبریٰ ہو جائے گی، یا یہ ایک رجعی طلاق شمار ہو گی۔ اس مسئلے کی اہمیت اس لیے بہت زیادہ ہے کہ اس پر خاندان کے مستقبل کا

دارومدار ہوتا ہے؛ اسی لیے اس جواب میں دونوں معروف موقف ان کے دلائل کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں اور کسی مخصوص خاندانی واقعے پر ان کا اطلاق مستند مفتیان اور عدالت کے دائرے میں سمجھا جائے گا۔ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اختلاف کو اختلاف کے طور پر پڑھے اور ذاتی پسند کی بنیاد پر فتویٰ سازی سے اجتناب کرے۔

پہلا موقف: تینوں واقع ہونے کا قول

جمہور فقہاء، یعنی چاروں مشہور فقہی مذاہب کے معتمد موقف کے مطابق ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں اور عورت مغلظہ ہو جاتی ہے۔ اس موقف کے حاملین سورۃ الطلاق کے عموم، صحابہ کرام کے آثار اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے استدلال کرتے ہیں جس کا ذکر صحیح مسلم میں آیا ہے کہ لوگوں نے طلاق میں جلدی کرنا شروع کر دی تو حضرت عمر نے تین طلاقوں کو ان پر نافذ کر دیا۔ ان کے نزدیک طلاق کے الفاظ اپنے معنی میں صریح ہیں اور بولنے والے نے تین کا ارادہ بھی کیا ہوتا ہے، لہٰذا حکومت اور قضا کا نظام اسی پر چلتا رہا ہے۔ پاکستان سمیت اکثر مسلم ممالک کے عائلی قوانین اور عدالتوں میں بھی عمومی عمل اسی کے قریب ہے، البتہ طریقہ کار اور نوٹس وغیرہ کے قانونی تقاضے الگ سے پورے کرنا ہوتے ہیں۔

دوسرا موقف اور اس کے دلائل

دوسرا معروف موقف یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق شمار ہوں گی۔ یہ رائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول عمل اور بعض تابعین و ائمہ، خصوصاً امام ابنِ تیمیہ اور امام ابنِ قیم رحمہما اللہ، سے مشہور ہے۔ اس کی بنیادی دلیل صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جس کے مفہوم کے مطابق نبی کریم ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں۔ اس موقف کے حاملین کہتے ہیں کہ طلاق کا شرعی مقصد تدریج اور وقفہ ہے، جیسا کہ سورۃ البقرہ میں طلاق کو دو مرتبہ کہہ کر رکھنے یا بھلائی سے چھوڑنے کی تعلیم دی گئی ہے؛ ایک دم تین کہہ دینا اس تدریج کے خلاف ہے اس لیے اسے ایک ہی شمار کیا جائے۔ دونوں طرف کے دلائل کتبِ حدیث و فقہ میں موجود ہیں اور یہ مسئلہ علمی اختلاف کی کلاسیکی مثال ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ طلاق اثر کے اعتبار سے رجعی اور بائن، طریقے کے اعتبار سے سنی اور بدعی اور الفاظ کے اعتبار سے صریح اور کنایہ ہوتی ہے۔ ایک مجلس میں تین طلاقوں کے بارے میں جمہور کا موقف تینوں کے وقوع کا ہے، جب کہ ایک معتبر علمی رائے اسے ایک رجعی طلاق قرار دیتی ہے؛ دونوں موقف نصوص اور آثار سے استدلال کرتے ہیں۔ طالب علم کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اس مسئلے کو علمی دیانت کے ساتھ بیان کرے، یہ واضح رکھے کہ کسی زندہ واقعے میں حتمی رائے دینا اس کا کام نہیں، اور یہ کہ متاثرہ فریق کو مستند دارالافتاء اور قانونی مشورے کی طرف رجوع کرنا چاہیے تاکہ عدت، رجوع اور حلالے جیسے حساس امور میں غلطی سے بچا جا سکے۔

سوال نمبر 3: خلع، لعان اور عدت کے احکام

سوال نمبر 3: سنتِ مطہرہ کی روشنی میں خلع، لعان اور مطلقہ و بیوہ کی عدت سے متعلق احکام تحریر کریں۔ (20)

تعارف

اسلامی عائلی قانون میں جس طرح نکاح کو مضبوط بنیادوں پر قائم کیا گیا ہے اسی طرح ناگزیر صورت میں علیحدگی کے بھی منظم اور باعزت راستے رکھے گئے ہیں۔ خلع، لعان اور عدت ایسے ہی تین اہم ابواب ہیں جن کا تعلق سنتِ مطہرہ سے براہِ راست ہے۔ خلع عورت کی طرف سے علیحدگی کا ایک راستہ ہے، لعان میاں بیوی کے درمیان زنا کے الزام کی ایک مخصوص شرعی کارروائی ہے، اور عدت طلاق یا وفات کے بعد کی مقررہ مدت ہے جس کے اپنے مقاصد اور احکام ہیں۔ اس جواب میں تینوں موضوعات کو الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کیا جائے گا۔ یہ بیان خالصتاً تعلیمی ہے؛ کسی حقیقی مقدمے میں خلع، لعان یا عدت کا فیصلہ عدالت اور اہلِ علم کا کام ہے، طالب علم کا کام نصوص کو درست طور پر سمجھنا اور بیان کرنا ہے۔

خلع: تعریف، دلیل اور طریقہ

خلع کے لغوی معنی اتارنے اور جدا کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ عورت مال کے بدلے، عام طور پر مہر کی واپسی یا اس کے کسی حصے پر اتفاق کر کے، شوہر سے علیحدگی حاصل کرے۔ اس کی بنیاد سورۃ البقرہ کی آیت 229 ہے جس میں اس صورت کی اجازت بیان ہوئی ہے کہ جب دونوں کو اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکنے کا اندیشہ ہو تو عورت کے فدیہ دینے میں حرج نہیں۔ سنت سے اس کی واضح مثال حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا واقعہ ہے جو صحیح بخاری میں مذکور ہے: ان خاتون نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ انہیں اپنے شوہر کے دین و اخلاق پر کوئی اعتراض نہیں مگر وہ ناپسندیدگی کی بنا پر ساتھ رہنا نہیں چاہتیں؛ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا وہ مہر میں ملا ہوا باغ واپس کر دیں گی، ان کے اقرار پر شوہر کو علیحدگی کا حکم دیا گیا۔ فقہاء کے نزدیک خلع کے نتیجے میں طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے، اس کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا البتہ رضامندی سے نیا نکاح ہو سکتا ہے۔ خلع عدالت کے ذریعے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے اور پاکستان کی عائلی عدالتوں میں اس کا باقاعدہ سرانجام کار موجود ہے؛ بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں فقہاء نے عورت کے مال دیے بغیر یا شوہر کی زیادتی ثابت ہونے پر مختلف احکام بیان کیے ہیں۔

لعان: تعریف اور شرعی طریقہ

لعان اس مخصوص کارروائی کو کہتے ہیں جو اس وقت ہوتی ہے جب شوہر بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں، اور بیوی اس الزام سے انکار کرے۔ اس کا طریقہ سورۃ النور کی آیات 6 تا 9 میں بیان ہوا ہے: شوہر چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر اپنے الزام کی سچائی کی گواہی دیتا ہے اور پانچویں مرتبہ کہتا ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو؛ اس کے مقابلے میں بیوی چار مرتبہ قسم کھا کر الزام کو جھٹلاتی ہے اور پانچویں مرتبہ اللہ کے غضب کو اپنے اوپر دعوت دیتی ہے اگر شوہر سچا ہو۔ لعان کی وجہ بننے والے واقعات میں حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے جس کی تفصیل کتبِ حدیث میں موجود ہے۔ لعان مکمل ہونے کے بعد فقہاء کے نزدیک میاں بیوی کے درمیان مستقل جدائی واقع ہو جاتی ہے اور وہ دوبارہ ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں ہوتے۔ اس باب کی حکمت یہ ہے کہ نہ الزام بغیر ثبوت کے کسی کی عزت برباد کر سکے اور

نہ جھوٹا الزام لگانے والا حدِ قذف سے بچ کر آسانی سے نکل جائے؛ لعان دونوں خطروں کے درمیان ایک سنجیدہ اور آخری شرعی مخرج ہے۔ واضح رہے کہ لعان کی کارروائی صرف مجاز عدالت میں ہو سکتی ہے، گھریلو سطح پر اس کا کوئی تصور نہیں۔

عدت: تعریف اور حکمتیں

عدت اس مقررہ مدت کو کہتے ہیں جو عورت طلاق یا شوہر کی وفات کے بعد گزارتی ہے اور اس دوران وہ نیا نکاح نہیں کر سکتی۔ عدت کی اصل بنیاد سورۃ البقرہ اور سورۃ الطلاق کی آیات ہیں۔ اس کی بڑی حکمتیں فقہاء نے یہ بیان کی ہیں: پہلی یہ کہ رحم کے خالی ہونے کا یقین ہو جائے تاکہ نسب میں اختلاط نہ ہو؛ دوسری یہ کہ رجعی طلاق میں شوہر کو غور و فکر اور رجوع کا موقع ملے؛ تیسری یہ کہ بیوہ کی صورت میں غم اور وفاداری کے اظہار کو مناسب وقت مل اور خاندان بھی اس صدمے سے نکل سکے؛ چوتھی یہ کہ نکاح جیسے مقدس بندھن کے خاتمے کو یک لخت معمولی واقعہ نہ سمجھا جائے بلکہ اس کی اہمیت برقرار رہے۔ عدت کے دوران نان نفقہ اور رہائش کے احکام بھی فقہ میں تفصیل سے آئے ہیں: رجعی طلاق کی عدت میں عورت کا نفقہ و سکنیٰ شوہر پر لازم ہے، اور سورۃ الطلاق میں یہ ہدایت بھی ہے کہ عدت والی عورت کو اس کے گھر سے نہ نکالا جائے۔

مطلقہ اور بیوہ کی عدت کی صورتیں

عدت کی مدت صورت کے اعتبار سے مختلف ہے۔ جس عورت کو صحبت کے بعد طلاق ہو اور اسے حیض آتا ہو، اس کی عدت تین قروء یعنی تین حیض یا تین طہر ہیں، جیسا کہ سورۃ البقرہ 2:228 میں بیان ہوا ہے؛ لفظِ قروء کی تفسیر میں فقہاء کا اختلاف موجود ہے۔ جسے حیض نہ آتا ہو، خواہ کم عمری کی وجہ سے ہو یا بڑھاپے کی بنا پر بند ہو گیا ہو، اس کی عدت تین مہینے ہے (سورۃ الطلاق 65:4 کا حوالہ)۔ حاملہ عورت کی عدت، خواہ طلاق کی ہو یا وفات کی، وضعِ حمل تک ہے۔ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے (سورۃ البقرہ 2:234 کا حوالہ) بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو۔ جس عورت کو صحبت سے پہلے ہی طلاق ہو جائے اس پر کوئی عدت نہیں، جیسا کہ سورۃ الاحزاب 49 میں صراحت ہے، البتہ صحبت سے پہلے شوہر کی وفات ہو جائے تو بیوہ والی عدت لازم آتی ہے۔ ان مدتوں کا درست شمار دن گننے کے معمولی کام سے بڑھ کر ایک شرعی ذمہ داری ہے، کیونکہ اسی پر رجوع، نیا نکاح اور نسب کے امور منحصر ہوتے ہیں۔

جدول 3: عدت کی اہم صورتیں اور مدتیں

صورت	عدت کی مدت	بنیاد
حیض والی مطلقہ	تین قروء	سورۃ البقرہ 2:228
حیض نہ آنے والی مطلقہ	تین مہینے	سورۃ الطلاق 65:4
حاملہ مطلقہ یا بیوہ	وضعِ حمل تک	سورۃ الطلاق 65:4
بیوہ (غیر حاملہ)	چار مہینے دس دن	سورۃ البقرہ 2:234
صحبت سے قبل مطلقہ	کوئی عدت نہیں	سورۃ الاحزاب 33:49

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ خلع عورت کے لیے مال کے بدلے علیحدگی کا وہ راستہ ہے جس کی مثال سنت میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کے واقعے سے ملتی ہے؛ لعان الزامِ زنا کی وہ مخصوص قسمی کارروائی ہے جو سورۃ النور میں بیان ہوئی اور جس کے بعد مستقل جدائی واقع ہو جاتی ہے؛ اور عدت نسب کی حفاظت، رجوع کے موقع اور وفات کے غم کے تقدس کے لیے مقررہ مدت ہے، جو مطلقہ کے لیے تین قروء یا تین مہینے اور بیوہ کے لیے چار مہینے دس دن ہے، جب کہ حاملہ کی عدت وضعِ حمل تک ہے۔ یہ تینوں ابواب دکھاتے ہیں کہ شریعت نے علیحدگی کو بھی بے ضابطہ نہیں چھوڑا بلکہ ہر مرحلے کو اصول، مدت اور ذمہ داری سے باندھا ہے۔ عملی مقدمات میں ان احکام کا اطلاق عدالتوں اور مفتیان کا کام ہے۔

سوال نمبر 4: بیعتِ اطاعت، ہجرت اور حاکم کی معزولی

سوال نمبر 4: دینی نصوص کی روشنی میں بیعتِ اطاعت، ہجرت کے احکام اور حاکم وقت کی عزولی سے متعلق شرعی حکم بیان کریں۔ (20)

تعارف

اسلام کا سیاسی و اجتماعی نظام چند بنیادی اصولوں پر قائم ہے جن میں بیعت، اطاعت، ہجرت اور حکمران کی ذمہ داری و احتساب نمایاں ہیں۔ بیعت وہ عہد ہے جس سے حکمران اور رعایا کے درمیان باہمی حقوق و فرائض قائم ہوتے ہیں، اطاعت اس عہد کا عملی تقاضا ہے، ہجرت دین کی حفاظت کے لیے قربانی اور نقلِ مکانی کا درس ہے، اور معزولی اس اصول کی علامت ہے کہ اقتدار امانت ہے، کسی کی ذاتی جاگیر نہیں۔ اس جواب میں ان تینوں موضوعات کو نصوص کی روشنی میں خالصتاً تعلیمی اور تاریخی انداز میں بیان کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ موجودہ دور کے کسی ملک، حکومت یا شخصیت پر ان اصولوں کا اطلاق اور اس بارے میں سنی رائے دینا اہلِ علم، اہلِ حل و عقد اور عدالتوں کا معاملہ ہے؛ اس گائیڈ کا مقصد صرف نصوص کا فہم ہے، کسی سیاسی تحریک یا عملی قدم کی ترغیب یا مخالفت نہیں۔

بیعتِ اطاعت: مفہوم اور سیرت سے مثالیں

بیعت کے معنی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر عہد کرنے اور کسی امر پر اتفاق کر کے اس کی پابندی کا اقرار کرنے کے ہیں۔ سیرتِ نبوی میں بیعت کی کئی مثالیں ملتی ہیں: بیعتِ عقبہ میں انصار نے نبی کریم ﷺ سے حفاظت و نصرت کا عہد کیا، بیعتِ رضوان میں صحابہ کرام نے حدیبیہ کے موقع پر ثابت قدمی کا عہد کیا جس کی تعریف سورۃ الفتح میں آئی ہے، اور خواتین کی بیعت کا ذکر سورۃ الممتحنہ میں اخلاقی شرائط کے ساتھ ہوا ہے۔ خلفائے راشدین کے انتخاب میں بھی بیعت ہی وہ ذریعہ بنی جس سے امت کا اجتماعی فیصلہ ظاہر ہوا؛ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت اس کی پہلی بڑی مثال ہے۔ بیعت دراصل دو طرفہ معاہدہ ہے: حکمران کتاب و سنت کے مطابق نظام چلانے کا پابند ہوتا ہے اور رعایا معروف یعنی نیکی کے کاموں میں اس کی اطاعت کی پابند ہوتی ہے۔ اسی لیے فقہاء نے بیعت کو محض رسم نہیں بلکہ حکمران کے جواز اور ذمہ داری دونوں کی بنیاد قرار دیا ہے۔

اطاعت کے حدود و قیود

نصوص نے حکمران کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے مگر اسے غیر مشروط نہیں رکھا۔ سورۃ النساء کی آیت 59 میں اللہ، رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم آیا ہے اور ساتھ ہی تنازع کی صورت میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کی ہدایت دی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کتاب و سنت کے دائرے میں رہ کر ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور روایت، جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے، اس اصول کو واضح کرتی ہے کہ سننے اور ماننے کا عہد پسند و ناپسند دونوں حالتوں میں ہے، یہاں تک کہ واضح کفر دیکھا جائے جس پر اللہ کی طرف سے دلیل موجود ہو۔ اسی طرح احادیث کا مفہوم ہے کہ مخلوق کی اطاعت خالق کی نافرمانی میں جائز نہیں؛ یعنی اگر حکمران کسی معصیت کا حکم دے تو اس خاص حکم کی اطاعت نہیں ہوگی، لیکن اس کا مطلب ہر اختلاف پر بغاوت بھی نہیں نکالا گیا۔ فقہاء نے نظمِ اجتماعی کی حفاظت اور فتنے سے بچاؤ کو بڑی اہمیت دی ہے اور اسی توازن سے اسلامی سیاسی فکر کی پہچان بنتی ہے۔

ہجرت کے احکام

ہجرت سے مراد دین کی حفاظت اور اللہ کی رضا کے لیے ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہونا ہے۔ اس کی سب سے عظیم مثال نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی مکہ سے مدینہ ہجرت ہے جس سے اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی، اور اس سے پہلے صحابہ کی حبشہ کی طرف دو ہجرتیں بھی سیرت کا اہم باب ہیں۔ حدیث میں مفہوم آیا ہے کہ فتحِ مکہ کے بعد مکہ سے ہجرت باقی نہیں رہی، البتہ جہاد اور نیت باقی ہے؛ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت کی وہ مخصوص تاریخی صورت ختم ہو گئی جس کا تعلق دارالاسلام کے قیام سے تھا۔ فقہاء نے بعد کے ادوار کے لیے اصول یہ بیان کیا ہے کہ جہاں مسلمان اپنے دین پر عمل سے بالکل عاجز آ جائے اور جان و ایمان کی حفاظت ناممکن ہو جائے وہاں سے نقلِ مکانی کی بحث پیدا ہوتی ہے، اور جہاں دین پر عمل ممکن ہو وہاں مقامی اصلاح اور صبر کی تعلیمات بھی موجود ہیں۔ ہجرت فی سبیل اللہ کی فضیلت سورۃ النساء اور سورۃ التوبہ میں بیان ہوئی ہے اور اس کا اصل مقصد زمین و وطن کی محبت ترک کرنا نہیں بلکہ ایمان کو ہر چیز پر مقدم رکھنا ہے۔ اس بحث کا اطلاق موجودہ حالات پر کرنا سیاسی و فقہی ماہرین کا کام ہے، طالب علم کے لیے نصوص کی درست تفہیم کافی ہے۔

حاکم کی معزولی سے متعلق شرعی تصور

اسلامی اصول کے مطابق حکمران کا عہدہ امانت ہے اور وہ اس کا جواب دہ ہے؛ اسی لیے اگر حکمران اپنی اہلیت یا امانت کھو بیٹھے تو اس کی معزولی یعنی عہدے سے ہٹائے جانے کا تصور فقہی کتب میں موجود ہے۔ فقہاء نے معزولی کی بنیاد اور عام طور پر یہ بیان کی ہیں: کھلا کفر جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو، عقل و حواس کی معذوری جس سے فرائض کی ادائیگی ناممکن ہو جائے، ایسی جسمانی یا اخلاقی صورت حال جس سے عدل و انتظام قائم نہ رہ سکے، اور امانت میں خیانت یا ظلم کی وہ انتہا جس پر اہلِ حل و عقد متفق ہوں۔ تاہم فقہاء کی اکثریت نے اس کے ساتھ دو بڑی قیدیں بھی لگائی ہیں: اول یہ کہ معزولی کا فیصلہ انفرادی یا عوامی جوش سے نہیں بلکہ اہلِ حل و عقد اور مجاز اداروں کے ذریعے ہو؛ دوم یہ کہ خونریزی اور فتنے سے بچاؤ کو مقدم رکھا جائے، اسی لیے ظالم حکمران کے خلاف مسلح خروج کے معاملے میں جمہور فقہاء نے انتہائی احتیاط کی تعلیم دی ہے اور صبر و نصیحت اور پرامن قانونی ذرائع کو ترجیح دی ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سمیت تاریخ کے واقعات اس بحث میں بطورِ مطالعہ پیش کیے جاتے ہیں، مگر ان سے آج کے لیے عملی لائحہ عمل اخذ کرنا علماء اور اہلِ نظر کا اجتہادی کام ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ بیعت حکمران و رعایا کے درمیان عہد کا نام ہے جس کی مثالیں بیعتِ عقبہ اور بیعتِ رضوان ہیں؛ اطاعت اس عہد کا تقاضا ہے مگر وہ معروف کے دائرے میں اور معصیت کے حکم سے خالی ہے؛ ہجرت ایمان کی حفاظت کے لیے نقلِ مکانی کا عظیم درس ہے جس کی بڑی صورت فتحِ مکہ کے بعد ختم ہو گئی جب کہ اس کے اصول باقی ہیں؛ اور معزولی اس بات کا اعلان ہے کہ اقتدار امانت ہے، تاہم اس کا فیصلہ مجاز اہلِ حل و عقد کا ہے اور فتنے سے بچاؤ اس میں بنیادی قید ہے۔ یہ مباحث بتاتے ہیں کہ اسلامی سیاسی تعلیمات اقتدار کو ذمہ داری، نظام کو عدل اور اختلاف کو اصولوں کے دائرے میں رکھتی ہیں۔ طالب علم ان موضوعات کو سیرت و فقہ کی مستند کتب سے مزید گہرائی کے ساتھ پڑھے اور معاصر اطلاق اہلِ علم پر چھوڑے۔

سوال نمبر5: قضاء کی شرائط، رشوت اور غلط فیصلے کی حرمت

سوال نمبر5: احادیثِ نبوی کی روشنی میں قضاء کی شرائط اور قاضی کے لیے رشوت وغلط فیصلے کی حرمت کے احکام واضح کریں۔(20)

تعارف

عدل وانصاف کسی بھی اسلامی معاشرے کی روح ہے اور قضاء یعنی فیصلہ سازی کا منصب اس کی سب سے حساس ذمہ داری ہے۔ قاضی کے ایک فیصلے سے کسی کا مال، کسی کی عزت اور بسا اوقات کسی کی زندگی متاثر ہوتی ہے، اسی لیے احادیثِ نبوی میں قاضی بننے کی اہلیت، اس کی دیانت اور اس کے غلط رویے کی وعیدیں بڑی تفصیل سے آئی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے خود قاضی مقرر کر کے بھیجے، ان کی تربیت فرمائی اور قضاء کے آداب سکھائے؛ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت کتاب وسنت اور اجتہاد کی ترتیب والا مکالمہ اس باب کی بنیادی نص ہے۔ اس جواب میں پہلے قضاء کی شرائط، پھر رشوت کی حرمت اور آخر میں جان بوجھ کر غلط فیصلے اور اجتہادی خطا کے فرق کو احادیث کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔

قاضی کی شرائط

فقہاء نے احادیث اور صحابہ کرام کے عمل کی روشنی میں قاضی کے لیے کئی شرائط مقرر کی ہیں۔ پہلی شرط اسلام ہے، کیونکہ قضاء ولایت اور اختیار کا منصب ہے۔ دوسری عقل و بلوغ ہے؛ نابالغ یا مجنون فیصلہ نہیں کر سکتا۔ تیسری عدالت یعنی کردار کی درستی ہے: قاضی کا دیندار، امین اور کبیرہ گناہوں سے بچنے والا ہونا ضروری ہے، کیونکہ خود بددیانت شخص دوسروں کے درمیان دیانت کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ چوتھی شرط علم ہے: قاضی کو کتاب وسنت کے احکام، اجماع اور قیاس واجتہاد کے اصولوں سے واقف ہونا چاہیے؛ حضرت معاذ والی روایت میں یہی ترتیب بیان ہوئی کہ فیصلہ کتاب اللہ سے، پھر سنت سے اور پھر اجتہاد سے ہو گا۔ پانچویں، حواس وبدن کی سلامتی ہے جیسے سننا اور دیکھنا، تاکہ وہ فریقین کو سن سکے اور شہادت کا جائزہ لے سکے، البتہ ان جزئیات میں فقہاء کے ہاں تفصیل موجود ہے۔ خواتین کے قاضی ہونے کے مسئلے میں بھی مذاہب کا اختلاف مشہور ہے: بعض نے اسے محدود دائرے میں جائز کہا ہے اور جمہور نے عمومی قضاء میں اس کی اجازت نہیں دی۔ اس اختلاف کو بھی طالب علم علمی امانت کے ساتھ بیان کرے۔

قاضی کے آداب اور ذمہ داریاں

احادیث میں قاضی کے لیے صرف علمی اہلیت ہی کافی نہیں بتائی گئی بلکہ اس کے اخلاق و آداب بھی بیان ہوئے ہیں۔ قاضی کو غصے کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ غصہ عدل کو متاثر کرتا ہے۔ فریقین کے ساتھ مساوی سلوک لازمی ہے: نشست، توجہ اور سماعت میں مدعی و مدعا علیہ برابر ہوں، کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ملے۔ قاضی کا کسی بھی فریق سے ہدیہ قبول کرنا یا اس کے ہاں دعوت کھانا جانب داری کا شبہ پیدا ہو، اس سے بھی فقہاء نے سختی سے روکا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن قاضی بنا کر بھیجتے وقت نبی کریم ﷺ کی نصیحت کا مفہوم یہ تھا کہ جب دونوں فریق سامنے ہوں تو دوسرے کی بات سنے بغیر فیصلہ نہ کرنا، کیونکہ اس سے درست فیصلے کی صورت واضح ہوتی ہے۔ یہ آداب بتاتے ہیں کہ اسلامی قضاء صرف قانون کا نام نہیں بلکہ شفاف طریقہ کار اور منصفانہ سماعت کا نظام بھی ہے۔

رشوت کی حرمت

رشوت قضاء کی سب سے بڑی دشمن ہے کیونکہ یہ فیصلے کو علم و دلیل کے بجائے مال کی طاقت سے خریدتی ہے۔ احادیث میں رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر لعنت کی وعید آئی ہے؛ سنن ترمذی اور سنن ابی داؤد سمیت کتبِ حدیث میں اس مضمون کی روایات موجود ہیں، اور بعض روایات میں اس شخص کو بھی اسی حکم میں شامل کیا گیا ہے جو دونوں کے درمیان دلالی کرے۔ قاضی کے لیے رشوت دوہری جرم ہے: ایک یہ کہ وہ خود حرام مال کھاتا ہے اور دوسرا یہ کہ وہ حق دار کا حق چھین کر ناحق کو دیتا ہے، جس سے معاشرے کا پورا اعتماد عدلیہ سے اٹھ جاتا ہے۔ فقہاء نے قاضی کے عام ہدیے کو بھی اسی شبے کی بنا پر ممنوع یا مکروہِ تحریمی قرار دیا ہے، خاص طور پر ان لوگوں کی طرف سے جن کا مقدمہ عدالت میں ہو۔ اس کے برعکس اگر نظام قاضی کو مناسب تنخواہ اور سہولتیں دے تو یہ عدل کی حفاظت کا حصہ ہے؛ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قاضیوں کے وظائف مقرر کر کے اسی اصول کو عملی شکل دی کہ قاضی معاشی دباؤ سے آزاد ہو کر فیصلہ کرے۔

غلط فیصلہ: دانستہ ظلم اور اجتہادی خطا کا فرق

احادیث نے غلط فیصلے کی دو صورتوں میں واضح فرق کیا ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ قاضی علم رکھنے کے باوجود جان بوجھ کر حق کے خلاف فیصلہ کرے، رشوت، رشتہ داری، دشمنی یا خوف کی بنا پر ظلم کرے؛ ایسے فیصلے کو احادیث میں سخت وعید کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ مشہور روایت کا مفہوم ہے کہ قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو حق کو جانتا ہے اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، وہ اہلِ جنت میں سے ہے؛ دوسرا وہ جو حق کو جانتا ہے مگر فیصلے میں ظلم کرتا ہے، اور تیسرا وہ جو جہالت کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہے، یہ دونوں اہلِ وعید میں سے ہیں۔ دوسری صورت اجتہادی خطا ہے: قاضی اہل بھی ہو، دیانت دار بھی ہو اور پوری کوشش کے بعد اجتہاد میں غلطی کر جائے؛ اس کے بارے میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت کا مفہوم ہے کہ حاکم جب اجتہاد کر کے درست فیصلے تک پہنچے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر خطا ہو جائے تو ایک اجر ہے۔ اس فرق سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے دیانت دارانہ کوشش کی حوصلہ افزائی کی ہے اور دانستہ ناانصافی کو ناقابلِ معافی جرم قرار دیا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ نے فریقین کو متنبہ فرمایا کہ آپ ﷺ بشر ہیں اور بیان کی چالاکی سے غلط فیصلہ ہو بھی جائے تو جس کو ناحق دیا گیا اس کے لیے وہ آگ کا ٹکڑا ہے: اس لیے جھوٹی شہادت اور جھوٹا مقدمہ بھی اسی وعید میں آتا ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ قضاء کا منصب علم، عدالت، عقل اور دیانت جیسی شرائط کا متقاضی ہے اور قاضی پر مساوی سماعت، غصے میں فیصلہ نہ کرنا اور شبے والے ہدیے سے بچنا لازم ہے۔ رشوت قاضی کے لیے قطعاً حرام ہے اور دینے والے و لینے والے دونوں احادیث کی وعید میں شامل ہیں۔ غلط فیصلے میں دانستہ ظلم اور دیانت دارانہ اجتہادی خطا کے درمیان بڑا فرق ہے: پہلا وعید کا مستحق ہے اور دوسرے پر بھی اجر کی بشارت ہے۔ یہ تعلیمات بتاتی ہیں کہ اسلامی نظامِ عدل کی بنیاد قانون کے ساتھ ساتھ قاضی کے کردار پر بھی ہے۔ آج کے عدالتی نظام میں ان اصولوں کا اطلاق ادارہ جاتی اصلاحات اور قانون کے ذریعے ہوتا ہے؛ طالب علم کا فرض ہے کہ وہ ان احادیث کو سمجھے اور معاشرے میں عدل کے شعور کو عام کرے۔